اردو اور ہندی کے لسانی روابط: تاریخی تناظر

ڈاکٹر عبدالواحد*

ملک اختر حسین**

Abstract

Urdu and Hindi are considered to be two different languages due to their script. The general perception about these languages is also same, but in-depth study reveals close cultural and linguistic ties between them. There is no history of Hindi Language before Forte William College and there is ambiguity about its name as well. It's a bare fact that the British in Forte William College have created the difference between these two languages after changing their script. This article has searched out such similarities and differences between the two languages in historical perspective

اردو اور ہندی رسم الخط کے اعتبار سے بظاہر دو علیحدہ علیحدہ زبانیں معلوم ہوتی ہیں اور عام تاثر بھی یہی ہے کہ ان میں بُعد المشر قین پایا جاتا ہے۔[1] حالانکہ یہ دونوں ہم زاد زبانیں ہیں اور ان میں گہرے لسانی اور تہذیبی مراسم ہیں مگر ہندی سے متعلق یہ بات بہت حد تک غیر واضح ہے کہ آخر ہندی سے مراد کون سی زبان ہے۔ سید مسعود حسن رضوی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں قائم ہوا اور وہاں اردو نثر کی متعدد کتابیں لکھی جا چکیں تو انگریزوں کی تجویز سے پہلی کتاب ایسی اردو میں لکھی گئی۔ جس میں سے فارسی، عربی کے کچھ لفظ نکال کر ان کی جگہ سنسکرت اصل کے لفظ رکھ دیے گئے اور اس کے لیے

---

* اسسٹنٹ پروفیسر (اُردو)،شعبہ پاکستانی زبانیں، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ قانون، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

ناگری رسمِ خط اختیار کیا گیا۔ کچھ زمانے کے بعد اس نئی شکل کی اردو کو رائج الوقت اردو سے ممیّز کرنے کے لیے ہندی کہنے لگے۔ رفتہ رفتہ لفظ ہندی کے معنی میں وسعت پیدا ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ شمالی ہندی کی ان تمام زبانوں پر حاوی ہو گیا جو ناگری حرفوں میں لکھی جاتی ہیں۔ ایک مدت کے بعد یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ ہندی کی اس شکل کو جس کی بنیاد فورٹ ولیم کالج میں پڑی تھی۔ برج بھاشا، اودھی، بھوج پوری، راجستھانی، متھیلی وغیرہ سے ممتاز کرنے کے لیے اس کا کوئی مخصوص نام ہونا چاہیے اور کھڑی بولی اس کا نام قرار دیا گیا۔ وہ ہندی جو اردو کے مقابلے میں سارے ہندوستان کی زبان بننے کا دعویٰ کرتی ہے یہی کھڑی بولی ہے۔[۲]

گریئرسن کے مطابق:

کھڑی بولی کے دو روپ ہیں۔ اردو اور ہندی، اردو اس روپ کا نام ہے جس میں فارسی عربی الفاظ آزادی سے استعمال ہوتے ہیں اور جو فارسی رسم الخط میں لکھا جاتا ہے اور ہندی روپ سنسکرت آمیز ہے، جو فارسی سے عاری ہے اور جس کے لیے ناگری رسم الخط استعمال کیا جاتا ہے۔[۳]

سنیتی کمار چٹر جی نے ہندوستانی کی جو مختلف صورتیں بیان کی ہیں۔ ان میں اردو (فارسی رسم الخط) اعلیٰ ہندی یا ناگری ہندی (دیو ناگری رسم الخط)۔ ہندوستانی (بنیادی کھڑی بولی جس کے ذخیرۂ الفاظ میں اردو اور ناگری ہندی کے درمیان ایک توازن رہتا ہے) علاقائی ہندوستانی (یہ مغربی اترپردیش اور مشرقی پنجاب کی علاقائی بولیاں) اور بازار ہندی یا بازار ہندوستانی یا عوام کی ہندوستانی (اول الذکر اور ۲ کی سادہ شکل) شامل ہیں۔ (۴) ہندی کے محققین کے بھی اس ضمن میں متضاد بیانات سامنے آتے ہیں۔ ڈاکٹر پرکاش مونس ان کا جائزہ لینے کے بعد لکھتے ہیں:

ہندی سے تین مختلف مفہوم مراد لیے جاتے ہیں۔ (۱) کھڑی بولی ہندی (۲) مغربی ہندی اور مشرقی ہندی (۳) مغربی ہندی، مشرقی ہندی، بہاری اور راجستھانی اور جو اقتدار کے نشے میں چُور ہیں وہ تو گورکھالی اور پہاڑی بولیوں کو بھی اس میں شامل کرتے ہیں۔ [۵]

مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے اور جیسا کہ ڈاکٹر تارا چند[۶] اور پنڈت کرشن پرشاد کول نے بھی اس کی وضاحت کی ہے کہ ہندی زبان (ناگری) کی بنیاد فورٹ ولیم کالج کے تحت انگریزی حکومت کی مصلحتوں کے نتیجے میں اس طرح عمل میں آئی کہ للو لال جی سے ''پریم ساگر'' ایسی ہندی زبان میں لکھوائی گئی کہ جس کا تعلق اردو

سے تھا نہ برج بھاشا سے بلکہ کھڑی بولی اور ہندوستانی سے تھا۔ فرق یوں پیدا کیا گیا کہ اس میں سنسکرت کے الفاظ کثرت سے داخل کیے گئے اور ساتھ یہ قرار دیا گیا کہ جس زبان میں فارسی اور عربی الفاظ کثرت سے ہوں وہ اردو ہے اور مسلمانوں کی زبان ہے۔[۷] دو مختلف رسم الخط کے استعمال سے ایک ہی زبان دو حصوں میں منقسم ہو گئی۔

جہاں تک اردو کا تعلق ہے تو یہ اپنی ساخت کے اعتبار سے مخلوط زبان ہے اور اس کی اساس میں مختلف زبانوں کے الفاظ شامل ہیں۔[۸] اس کا وجود مسلمانوں اور ہندوؤں کی سماجی اور سیاسی ضرورتوں کے تحت عمل میں آیا۔ ڈاکٹر سپرو نے ۲۶ دسمبر ۱۹۲۸ کے لیڈر اخبار میں لکھا تھا:

> میں ہر گز یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ جس زبان کو دہلی اور لکھنؤ کے اساتذہ نے دو ڈھائی سو برس میں مانجھ کہ اس مرتبے پر پہنچایا ہے اس کو اس طرح برباد کیا جائے۔ اردو کو میں مسلمانوں کی زبان نہیں سمجھتا۔ یہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترک زبان ہے۔ اس کی پیدائش ونشوونما میں دونوں نے یکساں حصہ لیا ہے۔ یہ ہر گز تقسیم نہیں ہوسکتی۔ یہ وہ زبان ہے جس نے سترھویں، اٹھارویں اور انیسویں صدی میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایک دوسرے کے خیالات اور مذاق کو سمجھنے کی قابلیت پیدا کی۔ اگر اردو پر یہ اعتراض ہے کہ بعض الفاظ دیہاتیوں کی سمجھ سے باہر ہیں تو ہندی میں اور خصوصاً اس ہندی میں جو آج بولی جاتی ہے۔ صدہا الفاظ ہیں جو اچھے شہری بھی سمجھ نہیں سکتے۔[۹]

ڈاکٹر سہیل بخاری اس لسانی ارتباط کا سرا رگ وید سے جوڑتے ہیں:

> رگ وید میں اردو کے بول دیکھ کر ہر ایک جان سکتا ہے کہ اس کے بھجن کہتے وقت اردو بولی جاتی تھی اور یہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ یہ بولی ویدک کال سے بہت پہلے بن چکی تھی پر ویدک کا ل سے پہلے کا جگ اردو کا ماضی ہے جس کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا۔ اس لیے اردو کی تاریخ بھی ویدک کال سے ہی شروع کرنی پڑتی ہے۔[۱۰]

جیسا کہ ذکر ہوا ہے کہ اردو ساخت کے اعتبار سے ایک مخلوط زبان ہے اور اس کے صرفی ونحوی نظام اور ذخیرۂ الفاظ میں مختلف زبانوں نے اپنا کردار ادا کیا ہے مگر اس کے باوجود اپنا ایک الگ وجود اور خود مختار حیثیت رکھتی ہے۔ اردو کے آغاز سے متعلق بھی مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔ محمد حسین آزاد اسے برج بھاشا سے نکلی ہوئی زبان قرار دیتے ہیں[۱۱] ان کے تتبع میں حکیم شمس اللہ قادری اور نصیر حسین خیال نے بھی برج کو اردو کا ماخذ قرار دیا ہے۔ حافظ محمود شیرانی کے مطابق ان دونوں زبانوں کے صرف ونحو، خط و خال اور

خصائص میں بنیادی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اردو جہاں اپنے اسما و افعال کو الف پر ختم کرتی ہے وہاں برج واؤ پر ختم کرتی ہے۔ برج میں جمع کا طریقہ سادہ اور سہل جبکہ اردو میں بہت پیچیدہ ہے۔ لہٰذا ان کا ماں بیٹی کا رشتہ نہیں۔۱۲ سر سید کے نزدیک اردو کا ہیولیٰ خلجی سلاطین کے عہد میں تیار ہوا اور اس نے زبان کی شکل عہد شاہجہانی میں اختیار کی۔ میر امن دہلوی نے اسے اکبر بادشاہ کے دربار سے وابستہ کیا ہے۔ ڈاکٹر گلکرسٹ کے خیال کے مطابق اردو زبان کی بنیاد ہندوستان پر تیمور کے حملے کے وقت پڑی۔ نصیر الدین ہاشمی دکن کو اردو کا مولد قرار دیتے ہیں۔(۱۳) حافظ محمود شیرانی اردو کا تعلق پنجابی سے جوڑتے ہیں۔ حافظ محمود شیرانی کا یہ نظریہ تاریخی عوامل، لسانی تجزیے اور داخلی شواہد کے تجزیاتی مطالعے کے بعد منظر عام پر آیا لکھتے ہیں:

> سندھ میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے اختلاط سے اگر کوئی نئی زبان نہیں بنی تھی تو غزنوی دور میں جو ایک سو ستر سال پر حاوی ہے۔ ایسی مخلوط مابین الاقوامی زبان ظہور ہو سکتی ہے اور چوں کہ پنجاب میں بنی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ وہ یا تو موجودہ پنجابی کے مماثل ہو یا اس کی قریبی رشتہ دار ہو۔ بہر حال قطب الدین کے فوجی اور دیگر متوسلین پنجاب سے کوئی ایسی زبان اپنے ہم راہ لے کر روانہ ہوتے ہیں۔ جس میں خود مسلمان قومیں ایک دوسرے سے تکلم کر سکیں اور ساتھ ہی ہندو اقوام بھی اس کو سمجھ سکیں اور جس کو قیام پنجاب کے زمانہ میں وہ بولتے رہے ہیں۔۱۴

حافظ محمود شیرانی کا یہ استدلال حقائق پر مبنی ہے کہ مسلمانوں کے تعلقات ہندوستان اور اہل ہند کے ساتھ پرتھوی راج کی شکست اور فتح دہلی کے زمانہ سے شروع نہیں ہوتے بلکہ ان واقعات سے کئی صدی پیشتر سے ابتدا پاتے ہیں کہ جب عربوں نے سندھ اور غزنوی خاندن نے پنجاب فتح کیا۔ سندھ اور پنجاب میں سب سے پہلے ہندو مسلم اقوام کا آپس میں میل جول ہوتا ہے۔ اس لیے انھیں زبان کی ضرورت انھی علاقوں میں پیش آئی ہو گی، لہٰذا اردو کو بھی یہیں وجود میں آنا چاہیے۔۱۵ حافظ محمود شیرانی کا نظریہ ''پنجاب میں اردو'' عہد آفریں تھا۔ جس نے بحث وتمحیص کے کئی دروا کیے۔

سید سلیمان ندوی کے مطابق سندھ اور گجرات اسلامی عہد سے بھی قبل ایرانیوں اور عربوں کے جہازوں کی گزر گاہ رہا، لہٰذا اس کی زبانوں کے اثرات بھی خاموشی کے ساتھ

پھیلتے رہے۔ خصوصاً سندھ وہ صوبہ تھا جو اکثر ایران کی سلطنت کا جز بنتا۔ فتح سندھ کے بعد مسلمانوں اور ہندوؤں کا میل جول بھی سب سے پہلے ملتان سے لے کر ٹھٹھہ تک سندھ میں ہوا۔ اس لیے اردو یہیں پیدا ہوئی۔[۱۶]

اردو کے آغاز سے متعلق ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ اس کی اساس کوئی آریائی بولی نہیں بلکہ اردو پنجابی اور سندھی کی پیش رومقامی پراکرتوں کا سرچشمہ، منڈا قبائل اور دراوڑی گروں کی زبانیں ہیں جو برصغیر میں سنسکرت سے پہلے رائج تھیں۔ اس نظریے کو مدلل انداز میں عین الحق فرید کوٹی نے اپنی کتاب *''اردو زبان کی قدیم تاریخ''* میں پیش کیا۔

ڈاکٹر مسعود حسین خان نے اردو زبان کی ابتدا نواح دہلی کی بولیوں کو قرار دیا ہے۔ ان کے مطابق دہلی شہر ہریانی، کھڑی اور میواتی کے سنگم پر واقع ہے، چنانچہ دہلی میں ایک عرصے تک زبان کا معیار اور ڈول متعین نہ ہو سکا۔ آغاز میں اردو پر ہریانی اور میواتی کے لسانی اثرات نظر آتے ہیں۔ سکندر لودھی کے زمانے سے لے کر شاہ جہاں کے عہد تک آگرہ دارالسلطنت رہا۔ اس طرح برج بھاشا کی تائید سے کھڑی بولی کا محاورہ غالب آگیا۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری کے خیال میں اردو کھڑی سے ترقی پا کر بنی جو دہلی اور میرٹھ کے نواح میں بولی جاتی تھی۔

اردو زبان کے آغاز وارتقا سے متعلق نظریات تضادات کا شکار ہیں تاہم یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ اردو کا وجود مسلمانوں کے مرہون منت ہے۔ مسلمانوں نے اپنی زبانوں عربی اور فارسی سے مقامی زبانوں کو اتنی چاشنی دی کہ اس سے ایک نئی زبان کا وجود ممکن ہوا۔ اپنے ارتقائی سفر میں اردو کو ہندوی، ہندی، دہلوی، گجری، دکنی، ریختہ اور اردوئے معلیٰ کا نام دیا گیا۔

دنیا کی بڑی اور زندہ زبانیں دیگر زبانوں کے اثرات قبول کرتی ہیں۔ کسی بھی زبان کا خالص پن اس کی مفلسی کی علامت ہے۔ دنیا سے ایسی بہت سی زبانیں حرفِ غلط کی صورت مٹ گئیں جنھوں نے اپنی انفرادیت کو برقرار رکھنے کی کوشش کی۔ اردو کی اس خوبی کو تمام ماہرین لسانیات تسلیم کرتے ہیں کہ اس میں دیگر زبانوں کی اصطلاحات اور الفاظ جذب کرنے کی بے پناہ صلاحیت موجود ہے۔ اس نے عربی، ترکی اور فارسی کے علاوہ ہندوستان کی مختلف زبانوں کے اثرات کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی قدیم اصنافِ شعر جیسے

دوہا، کبت، جکری، بارہ ماسا، اشلوک اور شبد وغیرہ کو اپنایا اور ان اصناف کے لیے ہندوستانی نظام الاوزان پنگل کو بھی قبول کیا۔ اردو اور ہندی کے اس مختصر لسانی منظر نامے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان دونوں زبانوں کے آپس میں گہرے لسانی اور تہذیبی مراسم ہیں۔ مگر رسم الخط کے فرق نے ان دونوں میں دُوریاں حائل کر دی ہیں۔ حالاں کہ اردو ہو یا ہندی، دونوں کی تہ میں کھڑی بولی یا ہندوستانی پوشیدہ ہے۔ اس کے ارتقا کی تاریخ لکھی جائے تو دونوں زبانوں کے ادبیات میں سے نمونے لینے ہوں گے۔[۱۷]

حوالہ جات

۱۔ پرکاش مونس، *اردو ادب پر ہندی ادب کا اثر*، الہ آباد نیشنل آرٹ پرنٹرس، ۱۹۷۸، طبع اول، ص۱۴

۲۔ مسعود حسن رضوی ادیب سید، *اردو زبان اور اس کا رسم الخط*، لکھنؤ یونیورسٹی، س ن، ص۱۱۔

۳۔ بحوالہ اردو ادب پر ہندی ادب کا اثر از ڈاکٹر پرکاش مونس، ص۱۴۔

۴۔ سنیتی کمار چڑ جی، *ہند آریائی اور ہندی* مترجم عتیق احمد صدیقی، نئی دہلی ترقی اردو بیورو، طبع دوم ۱۹۸۲ء، ص ص۱۴۲-۱۴۹۔

۵۔ *اردو ادب پر ہندی ادب کا اثر*، ص۱۹۔

۶۔ تارا چند، *ہندوستان کی عام زبان کا مسئلہ مضمون مشمولہ، اردو ہندی، ہندوستانی* (رسالہ الہ آباد (۱۹۳۱-۱۹۴۸ سے انتخاب) پٹنہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ص۱۷۸۔

۷۔ بحوالہ، *ہندی اردو تنازع*، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، اسلام آباد نیشنل بک فاونڈیشن طبع دوم ۱۹۸۸، ص ص۹۴-۹۵۔

۸۔ بحوالہ، *ہندی اردو تنازع*، ص۱۹۔

۹۔ ایضاً، ص ص۳۴-۳۵۔

۱۰۔ سہیل بخاری، ''اردو کی کہانی'' لاہور، مکتبۂ عالیہ، طبع اول ۱۹۷۵، ص ۲۰۔

۱۱۔ محمد حسین آزاد، *آب حیات*، سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۰ء، ص۱۰۔

۱۲۔ حافظ محمود شیرانی، *پنجاب میں اردو*، لاہور معین الادب، طبع چہارم، ص۲۔

۱۳۔ نصیر الدین ہاشمی، *دکن میں اردو*، نئی دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اردو، طبع دوم جولائی ۲۰۰۲، ص ص ۳۵-۳۶۔

۱۴۔ حافظ محمود شیرانی، *پنجاب میں اردو*، ص۲۶۷۔

۱۵۔ ایضاً ص ص۴۷-۴۸۔

۱۶۔ سلیمان ندوی سید، *نقوش سلیمانی*، سندھ اردو اکیڈمی طبع دوم، ص۲۵۹۔

۱۷۔ *اردو ادب پر ہندی ادب کا اثر*، ص۳۱ ۔